میر دولہا کے مرثئے اور اکیڈمی کا انعام

(گذشتہ سے پیوستہ)

از حضرت سراج مچھلی شہری

۱۰ (۲۲-۴) اپنے لہجہ میں عنادل ہیں ثناخوان بہار

شورِ غنچوں کے چٹکنے میں ہے قربان بہار

سراج۔ دوسرے مصرع کا مطلب غالباً یہ ہے کہ غنچے چٹک کر بہار سے کہہ رہے ہیں کہ ہم تجھ پر قربان ہیں مگر یہ مطلب اس سے صاف مفہوم نہیں ہوتا۔ مصرع یوں بن سکتا تھا۔

"غنچے کہتے ہیں چٹک کر کہ ہیں قربان بہار"

۱۱ (۲۴-۲-۳ تا ۵) تازہ سبزے پہ نہالوں کے قریں دیکھ کے چھاؤں

بیلیں انگڑائیاں لیلیٰ کے جو پھیلاتی ہیں پاؤں

فرش ہو نرم تو کیا چین سے نیند آتی ہے

سراج۔ یہاں دوسرے مصرع میں "جو" حرف شرط باعلت ہے لیکن اسکی جزا یا اسکا نتیجہ کہیں نہیں ہے۔ مصرع یوں زیادہ صاف ہوتا" بیلیں انگڑائیاں لیلیٰ کے ہیں پھیلاتی پاؤں" اس صورت میں "ہیں" کا دبنا بھی دور ہو گیا۔

۱۲ (۲۶-۴) مسکراہٹ گئی سوسن سے گلوں کو ہوا غم

سراج (۱) ہوا غم میں الف گر رہا ہے (۲) سوسن کی مسکراہٹ شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔ سوسن تو زبان دراز کہی جاتی ہے۔

۱۳ (۳۲-۴) سورۂ فتح میں آیت ہے کہ حمزہ کی سپر۔

سراج۔ مصرع یوں زیادہ صاف ہوتا۔

سورۂ فتح کی آیت تھی کہ حمزہ کی سپر

۱۴ (۳۴-۳-۶) جسکے تابوت کو غربال کیا تیروں سے۔

سراج۔ تیروں سے غربال کیا لالہ شاہی اردو ہے۔ محاورہ عام تو یوں ہے کہ۔ کو تیروں سے چھلنی کر دیا۔ چھلنی کر دیا کی جگہ غربال کیا کہنے میں بیحد غرابت ہے۔ سنا ہے کہ عزیز لکھنوی نے بھی ایک بار ماتھا ٹھنکا کی جگہ جبیں ٹھنکی لکھا تھا۔

۱۵ (۳۹-۶) صبح سے پیٹنے رونے میں یہ وقت آیا ہے۔

سراج۔ پیٹنے رونے کی ترکیب ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے "انکی چال بول اچھی نہیں" رونا پیٹنا محاورہ ہے محاورہ میں تصرف کسی کے لئے جائز نہیں۔

۱۶ (۴۱) شہ نے فرمایا یہ سب سچ ہے مگر اے بیٹا

ایسا دل لائیں کہاں سے جو کریں تمکو جدا

ماسوا اسکے اگر مجھ سے یہ زینب نے کہا

کس نے تلواروں میں بچے کو مرے بھیجدیا

کس طرح ایسی مصیبت میں خشش و تیغ نہو

گر نہ دوں اذن تو بے خوف متہم بیغ نہو

سراج (۱) تیسرے مصرع میں ماسوا معنے اسکے علاوہ فصحا کی بول چال نہیں۔ بجائے اسکے "پھر سوا اسکے" کہتے تو زور بھی آجاتا اور رکاکت بھی نکل جاتی۔ (۲) تیسرے مصرع میں جو "اگر" ہے اسکا جواب پورے بند میں کہیں نہیں۔ حالانکہ اس کے بعد ایک جملہ اس طرح کا کہ "تو میں کیا جواب دونگا" ضرور ہونا چاہیئے۔

۱۷ (۴۴-۴ تا ۶) ملکے زینب سے سدھارو سوئے گلزار جناں

پرورش کرنیکا احسان بخدا تم نے کیا۔ اپنے دو چاند سے بیٹوں کو فدا تم نے کیا

سراج۔ ٹیپ کا مطلب یہ ہے کہ زینب نے تم پر احسان کیا ہے مگر ایک ضمیر بار ز حضرت زینب کے لئے ہونی ضروری تھی

اسکا ہونا شاعر کا عجز اور شاعری کا سقم ہے۔

۱۸ (۵۰۔۳۰و۴) ناز سے چلنے کی جو وقت بہاریں ہوئے
جس جگہ پاؤں رکھے، کھلنے لگیں گل بوٹے

سراج۔ پہلے مصرع کا مطلب شاعر کے ذہن و دماغ ہی میں رہ گیا۔ یہ شعر گھوڑے کی تعریف میں ہے۔

۱۹ (۱۰ ٹیپ) فکر اطاعت کی یہ ہر ایک نفس رکھتا ہے۔
یہ بھی معراج پہ جانے کی ہوس رکھتا ہے

سراج۔ (۱) فکر اطاعت میں الف کا گرنا ناگوار ہے (۲) معراج پر جانا غلط ہے معراج نہ کسی کوٹھی کا نام ہے نہ اسکے معنی بالاخانہ کے ہیں لفظ معراج کا استعمال یوں سنا ہے (۱) رسول کو معراج ہوئی (۲) اسکی معراج یہ ہے (۳) رسول معراج میں آسمان پر گئے۔ مراد یہ کہ شب معراج میں۔

مدیر۔ "فکر اطاعت" میں الف گرا نہیں بلکہ رے الف میں وصل ہو گئی اور یہ قابل اعتراض نہیں ہے۔ اگر قابل اعتراض ہے تو کوئی شاعر اس سے نہیں بچا۔ غالب۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

۲۱ (۲۵-۲) گل سا تن دھوپ کی حدت سے پسینہ میں ہے تر۔

سراج۔ بھلا کیا تعریف ہوئی۔ گل سے تن کیلئے کمہلانا، مرجھانا لانا چاہئے تھا ورنہ تشبیہ بیکار ہے۔ دھوپ سے تو ہر شخص کو پسینہ آجاتا ہے۔

۲۲ (۲۷-۶) استخواں چیز ہیں کیا، قلب و جگر ٹوٹے ہیں

سراج استخواں تو خیر سخت چیز ہے اور وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے۔ مگر خدایا قلب و جگر کے ٹوٹنے کے کیا معنے ہیں؟

۲۳ (۶۹-۵) جان شیریں تجھے پیاری ہو اگر ٹک تو سہی

سراج۔ کہنا یہ ہے کہ اگر جان پیاری ہے تو ٹل جا۔ ایسے موقع پر یہی نہیں بولتے۔

۲۴ (۷۴-۵) جس سے ہر دشمن اللہ نے ذلت پائی

سراج۔ دشمن خدا کے ہوتے معلوم نہیں کیا ضرورت ہوئی کہ دشمن اللہ کی ترکیب ایجاد کرنی پڑی۔

۲۵ (۷۹-۲) باگ رہوار کی گانٹھے ہیں جبھی ہے پٹری۔

سراج۔ باگ گانٹھنا ممکن ہے صحیح ہو مگر فصیح نہیں۔ باگ تھامنا اور پکڑنا عام طور پر مستعمل ہے۔ یوں کہتے باگ رہوار کی پکڑی......

۲۶ (۸۰-۳ تا ۶) اب نہ پہلی سی وہ قوت ہے نہ باقی ہے شباب
ہو مدد تیری تو کھلجائے ابھی فتح کا باب
پھر تو ملک سخن اے فخر سلیماں لے لوں
پی کے اک جام ترے ہاتھ سے میداں لے لوں

سراج۔ یہ تخاطب ساقی سے ہے مگر معلوم نہیں ساقی کو فخر سلیماں کہنا کس مناسبت سے ہے۔ یہ غلط ہے اور اسمیں سوئے ادب بھی ہے۔

۲۷ (۸۷-۶) کہتے تھے زر نہ ملے سر کسی عنواں بچے
ہم تو لاکھوں اسے سمجھیں گے اگر جان بچے

سراج۔ محاورۂ عام یوں ہے "جان بچی لاکھوں پائے" اسمیں بیحد تصرف ہوا ہے۔ مصرع کچھ اس طرح ہوتا تو اچھا ہوتا "پائے لاکھوں ہی یہ سمجھیں گے اگر جان بچی۔

مدیر۔ حضرت عروج نے محاورے میں تصرف نہیں کیا انہوں نے تو ایک سیدھی سی بات کہی ہے۔ اتفاق سے اسکا ہم معنی ایک محاورہ بھی موجود ہے۔ آپنے البتہ محاورے میں بہت تصرف کیا ہے اول تو اس کے اجزائے ترکیب کو بدلکر مقدم کو موخر اور موخر کو مقدم کر دیا۔ دوسرے "یہ سمجھیں گے" فقرہ اس کے بیچ میں داخل کر کے مداخلت بیجا کا ارتکاب کیا ہے۔

۲۸ (۹۵-۳) جس طرف دیکھئے مردوں سے بھرا تھا صحرا

سراج۔ مردوں سے زیادہ اچھا لفظ لاشوں تھا تعجب ہے

میر ودہا جنگ کے موقع پر مردہ کیونکر لکھ گئے

۲۹ (۹۸-۳ و ۴) بارے مردوں کے ہوتا تہا زمین کو بھی فشار
تھے سواروں میں پیادے تو پیادوں میں سوار

سراج (۱) دونوں مصرعوں میں کوئی ربط نہیں، چوتھا مصرع بہرتی کا ہے۔

۳۰ (۱۰۰-۳) دل میں اک آگ جو بھڑکی ہوئی تھی خاطر خواہ

سراج۔ معلوم نہیں یہاں خاطر خواہ کا کیا موقع ہے؟

۳۱ (۱۰۵-۲) جلد آنے میں مگر چاہئے بے حد عجلت

سراج۔ آنے میں عجلت تو ہو سکتی ہے۔ مگر جلد آنے میں عجلت کے کیا معنے؟ مصرع یوں ہو سکتا تہا کہ "جاؤ، آنے میں مگر چاہئے بیحد عجلت"

۳۲ (۱۰۵-۶) تین دن گزرے ہیں اک بوند نہیں پانی کی

سراج۔ اگر فکر شعر میں ذرا اور کاوش کیجاتی تو مصرع یوں زیادہ صاف ہو سکتا تھا کہ "تین دن گزرے نہ اک بوند ملی پانی کی"

مدیر۔ حضرتِ عروج کا مصرعہ حضرت سراج کے مصرعہ سے اچھا ہے۔ "ایک بوند نہیں پانی کی" کے معنی یہی ہیں۔ پانی کی ایک بوند نہیں ملی "ملی" محذوف کرنیسے مصرعہ زیادہ فصیح ہو گیا۔

۳۳ (۱۱۳-۳) تاکتا تہا کوئی سینہ کوئی دل کوئی جگر

سراج۔ حضرت علی اکبرؓ اور ایک مخالف کی باہم لڑائی کا ذکر ہے دو آدمیوں کی لڑائی کیلئے تین چیزیں گنانی غلط ہے۔

۳۴ (۱۱۵-۱) نہ رہا جب ستم ایجاد میں باقی دم کس

سراج۔ دم کس کی ترکیب ناگوار اور بد مزہ ہے۔ محاورہ میں کس بل بولتے ہیں۔

۳۵ (۱۱۹-۴) اتنی پلوادے کہ ہو سانس کا لینا مشکل

سراج (۱) پلوادے بمعنے پلادے بالکل بازاری زبان ہے (۲) سانس کا لینا کی جگہ سانس بھی لینا زیادہ اچھا ہوتا۔ کا بھرتی کا ہے۔

۳۶ (۱۲۳-۵) ہے جہنم میں نہ بے جائے نہ جاتے بنتی

سراج۔ کہنا یہ ہے کہ نہ جہنم میں جاتے بنتی ہے نہ بے گئے بنتی ہے۔ مصرع کی بندش کسقدر سست ہے نیز "ہے جہنم میں..... بنتی" میں ناگوار تعقید ہے۔

۳۷ (۱۲۶-۳) سیر خود سر سے ہوا ہو گئے دعوائے نخست

سراج۔ دعوائے نخست بہونڈا بھی اور بمعنے دعوائے سابق غلط بھی نخست تو فارسی میں اول اور پہلا کو کہتے ہیں جو عدد ترتیبی ہے۔

۳۸ (۱۲۷-۵ ٹیپ) خضر ذیجاہ نے بہتا ہوا دریا روکا۔
سم رہوار سے حد باندھ کے گھوڑا روکا

سراج۔ معلوم نہیں کس مناسبت سے حضرت علی اکبرؓ کو خضر کہا گیا پھر خضر اور دریا میں کیا مناسبت؟ خضر نے دریا کو کب روکا تہا؟

مرثیہ سوم۔ مطلع:۔ صبح عاشور محرم ہے قیامت کی سحر۔
اس میں ۹۵ بند اور ۲۴ صفحات ہیں۔

۱ (بند ۱ ٹیپ) آج دنیا میں نیا ظلم و ستم ہوئیگا
باغ زہرا و محمد کا قلم ہوئیگا

سراج۔ میر ودہا نے ابھی حال میں انتقال کیا ہے۔ مگر زبان میر انیس سے بھی پہلے کی لکھتے ہیں۔ کیا ستم ہوئیگا بجائے ستم ہوگا اب فصیح ہے؟

۲ (بند ۹-۴) گرد ہیں اہل حرم بیچ میں سلطان زماں

سراج۔ اہل حرم بمعنے مسلم۔ زاہد۔ مجاور کعبہ اردو میں مستعمل ہے۔ عورتوں کو حرم کہتے ہیں نہ اہل حرم۔

۳ (۱۳-۶ و ۳) ہوئی نورِ تن روشن سے منور وہ قبا

چست ہو کر جو بدن سے وہ ہوئی چسپیدہ

سراج۔ (۱) چسپیدہ ذوق پر گراں ہے (۲) چست ہونیکے بعد پھر چسپیدا کی کیا ضرورت؟۔ یہ مفہوم تو چست ہونے میں آ گیا۔

۲ (۱۹-۱۳) یاد کرتی ہیں تمہیں بنت شہ قلعہ کشا

سراج۔ شہ قلعہ کشا سے مراد حضرت علی ہیں یہ قرینہ سے سمجھ میں آتا ہے ورنہ قلعہ کشا سے حضرت علی کسی طرح نہیں سمجھے جاسکتے۔ ہر فاتح بادشاہ یا سپہ سالار قلعہ کشا ہوتا ہے۔ خیبر کشا وغیرہ کہتے تو ٹھیک تھا۔

۵ (۲۰-۱) بولیں الفت سے علم ہاتھ میں لیکر زینب

سراج۔ الفت یہاں بدمزہ ہے۔

۶ (۲۲) گھر سے جسوقت چلا فاطمہ کا نور نگاہ
تھے علمدار بھی ہمراہ امام ذیجاہ
بڑھ کے عباس نے پردہ جو اٹھایا ناگاہ
خادمانِ در دولت نے کہا بسم اللہ

سراج۔ ناگاہ کا لفظ یہاں زائد اور بے ضرورت ہے۔

۷ (۲۸-۶) جس کا جو دل میں ارادہ تھا وہ پہچانتے ہیں۔

سراج۔ اگر فکر شعر میں زرا اور کاوش کیجاتی تو مصرع یوں زیادہ صاف ہو جاتا جسکے دل میں جو ارادہ تھا۔

۸ (۳۱-ٹیپ) جان جانے پہ جو بیٹھے صاحبِ اقبال دیئے
کھینچکر تنگ رکابوں میں قدم ڈال دیئے

سراج۔ پہلے مصرع کا مطلب غالبًا یہ ہے کہ وہ صاحب اقبال چونکہ جنگ میں جانے پر جان دیئے ہوئے تھے۔ مگر تکلف اور تعقید ظاہر ہے۔

۹ (۳۶-۳ و ۴) جنگ کی پیاس میں اس طرح کہ غازی سب تھے
دست صیاد اجل میں گل بازی سب تھے

سراج۔ صیاد کو گل یا گل بازی سے کوئی مناسبت نہیں اگر بجائے اسکے یوں کہئے "دست گلچین اجل میں۔" تو ایک گونہ لطف پیدا ہو جاتا۔

مدیر۔ اجل جیسی ہیبت ناک چیز کو گلچین کہنا ٹھیک نہیں۔

۱۰ (۳۷-۶) خوش نصیب ایسے کہ قسمت سے امام ایسا ملا

سراج۔ خوش نصیب کہہ چکنے کے بعد قسمت سے کا لفظ بیکار ہے اور خلاف فصاحت۔

۱۱ (۴۰-۶) کر دیا خون کی ندی کو رواں دم بھر میں

سراج۔ (۱) کو زائد ہے (۲) خون کی ندی رواں کر دینا بجائے خون کا دریا بہا دینے کے بھی تکلف سے خالی نہیں مصرع یوں بن سکتا تھا۔

ندیاں خون کی بہنے لگیں واں دم بھر میں۔

مدیر۔ حضرت عروج کا مصرعہ سراج صاحب کے مصرعہ سے زیادہ زوردار ہے۔ خون کی ندی کا رواں کرنا اور خون کی ندی کا بہنے لگنا ان دونوں میں جو فرق ہے اسکا اندازہ ارباب ذوق خوب کر سکتے ہیں۔ پہلے سے محارب کی جنگجوئی اور دلیری ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے سے محض کشت و خون کی کثرت پھر سراج صاحب نے ایک لفظ متروک "واں" استعمال کیا ہے۔ گو وہ خود اس کے متروک ہونیکے قائل نہیں ہیں۔ مگر شعرائے حال عام طور پر اسکو متروک خیال کرتے ہیں۔

۱۲ (۴۴-۳) کرتے ہیں بھائی کے گہہ ہاتھ بدن سے چسپاں

سراج۔ کہنا یہ ہے کہ کبھی بھائی کے بدن کو ہاتھ لگتے ہیں۔ بندش کی سستی اور تعقید مصرع سے ظاہر ہے۔

۱۳ (۵۰-۳) بڑھ کے پیش شہ مظلوم یہ زینب پُرغم

سراج۔ پُرغم صفت ہے زینب کی۔ یہاں کسرۂ توصیفی کا حذف بُرا ہے۔

۱۴ (۵۲-۴) چاہئے ہے تمہیں اب حق میں برادر کے دعا

سراج۔ چاہئے ہے کی جگہ چاہئے اور برادر کی جگہ بھائی زیادہ

فصیح تھا اگر بندش الفاظ کی صفائی میں زرا اور کاوش اور کوشش کیجاتی تو مصرع یوں بن سکتا تھا۔ "تمکو لازم ہے کرو بھائی کے حق میں بھی دعا"

۱۵ (۴-۵۴) کرتی ہو کسکے لئے رو رو کے تم حال تباہ

سراج۔ رو رو کے میں دوسرا ر دگر رہا ہے۔ ناظم کی قوت نظم کی کمی اس سے ظاہر ہے۔ مصرع کچھ اس طرح ہونا چاہئے تھا کہ "کسکو رو رو کے گئے لیتے ہو تم......

۱۶ (۲-۵۶ اور ۲) دفعتہً ہو گیا وہ غم کا مرقعہ ابتر
آہیں بھرتے نکل آئے شہ دیں گھبرا کر

سراج۔ کہنا یہ ہے کہ انتہا غم کا وقت آگیا یہاں یوں کہتے کہ "مسرت کا مرقع ابتر ہوا بھلا غم کا مرقعہ!) مرقع ابتر ہونا کیا؟ نفی کی نفی کو تو اثبات لازم ہے۔

۱۷ (۶۲-ٹیپ) چھیڑے ہوا ر تو یوں پاؤں جما کے اڑ جائے
پھول جس طرح کے جھونکے سے ہوا کے اڑ جائے

سراج۔ جس طرح کے بھونڈے ہے بجائے یوں کہتے "پھول جیسے کوئی، جھونکے سے ......

۱۸ (۳-۶۵) جھوم کر شیر کی صورت سے جو چلتا ہے یہ راہ

سراج۔ بندش سے اور صورت کے بعد "سے" کی زیادت سے ناظم کی سستی طبع ظاہر ہے۔ مصرع یوں ہوتا "جھوم کر شیر کی مانند جو چلتا ہے راہ"۔

۱۹ (۱-۷۱) کلمہ گو مرے جد کے ہیں جو موجود ہیں یاں

سراج۔ مصرع موزوں نہیں۔ غالباً کتابت کی غلطی سے کوئی لفظ رہ گیا ہے۔ میں یوں تجویز کرتا ہوں "کلمہ گو سب مرے جد کے...... یا کلمہ گو میرے ہی جد کے....

ملا میر۔ نہ مصرعہ ناموزوں ہے نہ کتابت کی غلطی ہے البتہ۔ کلمہ کے لام کو ساکن پڑھنے سے مصرعہ ناموزوں ہوجاتا ہے اسکو متحرک پڑھئے کیونکہ صحیح لفظ کلمہ بکسر لام ہے۔ یہ مرثیہ بحر رمل مثمن مخبون محذوف میں ہے۔ مصرعہ کی تقطیع یہ ہے۔ کلمہ۔ گو فعلاتن۔ مرے۔ جد کے فعلاتن۔ ہیں جو موجو فعلاتن۔ دہیں یاں فعلن بکسر عین۔

۲۰ (۴-۸۲) روسیہ کون تھا دن جس نے نہ دیکھا کالا

سراج۔ فارسی میں روز بد کو روز سیاہ کہتے ہیں غالب کا شعر ہے سہ جسے نصیب ہو روز سیاہ مرا سا۔ کہے نہ دن کو اگر رات وہ تو کیونکر ہو۔ میر دولہا نے روز سیاہ کا ترجمہ دن کالا کر ہی دیا مگر کسی محاورہ کا ترجمہ کرنا میر دولہا تو کیا کسی کیلئے بھی جائز نہیں

۲۱ (۳-۸۵) قدر دانوں کی نگاہوں میں یہ ممتاز رہی
ناصر دیں جو رہا کی لبسر ناز رہی

سراج۔ بسر ناز کا مطلب میں نہ سمجھ سکا۔ یہ شعر تلوار کی تعریف میں ہے اسی کے ساتھ ساتھ یہ دیکھکر مجھے اور بھی تعجب ہوا کہ انڈین پریس میں جناب حامد صاحب پروف ریڈر ہیں اور انہوں نے اس معراج سخن کی اصلاح و تصحیح میں کیا کچھ کوشش نہ کی ہوگی مگر پھر بھی اس میں کتابت کی غلطیاں مثل صاعقہ کو صانقہ۔ مستور کو مسطور۔ ہر سلام کو بجر سلام میخواروں کو میخاروں۔ علم دار کو عملدار باقی ہیں۔ ایک جگہ سایہ کو سایا اور عظمت (بسکون ظا) کو عظمت (بفتح ظا) موجود ہے حالانکہ یہی حامد صاحب ہیں جنہوں نے ابھی حال میں "یادگار نسیم" پر اعتراضات کے سلسلہ میں ایک زرین ہدایت کی تھی کہ "اصل چیز کتاب کی صحت ہے"!

یہ تھی ایک سرسری تنقید۔ مراثی عروج کی۔ اور اگر دقت النظر غائر سے اسکا مطالعہ کیا جائے تو یقین ہے کہ ابھی اور بھی غلطیاں نکل آئیں معراج سخن کے سرورق پر افصح الفصحا سلطان الذاکرین میر عروج نبیرہ خدائے سخن میر انیس کا لمبا چوڑا لقب دیکھکر تو یقیناً زبان و محاورہ کے یہ اسقام اور بندش کی ایسی سستیاں جو اوپر گزر چکیں حیرت انگیز ہیں اور ہمکو سخت حیرت ہے کہ

اکاڈیمی کا پانسو کا انعام اسپر کونسی خوبی دیکھکر دیا گیا۔

ہندوستانی اکاڈیمی دراصل یوپی گورنمنٹ کے مقرر کردہ ایک دارالتصنیف ہے جسکے اراکین نہایت سلیم المذاق اور بلند نظر حضرات ہیں اسکے مقاصد جیسے کچھ اہم اور اعلےٰ ظاہر کئے جاتے ہیں کاش اس کا لحاظ فیصلہ انعام میں بھی کیا جاتا۔ اکاڈیمی کا مقصد غالباً یہ کبھی نہیں ہے اور نہ ہونا چاہئے کہ لوگوں کو "پدرم سلطان بود" کا نعرہ لگاتے سنکر انکے لئے کوئی لنگر خانہ یا سدابرت جاری کردے۔ میر انیس کی خوبیاں تسلیم مگر یہ خیال کہ وہ خوبیاں متوارث بھی ہوں اور نسلاً بعد نسلٍ چلیں اور بڑے بڑے شاعروں اور متشاعروں کو "میر انیس کے پوتے اور نواسے" کہہ کر دنیا کو انکے سامنے سر جھکانے کی دعوت بھی دیجائے اور دنیا پر لبیک کہنا ہی فرض ہو تو نہ میں اس سے متفق ہوں اور نہ کبھی ہو سکتا ہوں۔

مجھے نہیں معلوم کہ انعام دینے سے قبل اکاڈیمی نے کن حضرات کی رائیں اس کتاب کے بارہ میں طلب کی تہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ فیصلہ انعام کے لئے کیا اصول قایم کئے گئے تھے مگر میرے خیال میں اس خصوص میں دو امور کا لحاظ ضروری تہا ایک یہ کہ اگر کوئی کتاب کسی فرقہ سے خاص تعلق رکھتی ہے تو اس فرقہ کے کسی آدمی کی رائے اسکے بارہ میں صفر محض سمجھی جائے۔ مثال کے لئے اسی معراج سخن کو لے لیجئے اگر مثلاً اسکی تعریف وتحسین ناصری صاحب وضامن صاحب وصفی صاحب نے کی ہو تو اکاڈیمی کو سمجھنا چاہئے تہا کہ ان لوگوں کے پیش نظر مرثیہ کا مذہبی پہلو ہے۔ پہر ایک ہمقوم مرثیہ خوان کی فائدہ رسانی متصور ہے نہ یہ کہ انکی تحسین ادبی نقطہ نظر سے ہے۔ مرثیہ ایک عرصہ سے شیعوں کے فرقہ کی خاص چیز ہوگئی ہے اسمیں انہیں کی تاریخ ہے اور انہیں کے عقائد۔ اور مقصد اس سے مجلسوں میں نوحہ وماتم کرنا ہے۔ پہر اس میں ادبی پہلو کدہر سے آگیا۔ کیا میر دولہا نے مراثی مجلسوں میں پڑھنے کے لئے نہیں لکھے تھے؟ دوسرے اکاڈیمی کو اس سے بے خبر نہ ہونا چاہئے کہ پروپیگنڈے اور کینویسنگ کا جال ہر طرف بچھا رہتا ہے لہذا مختلف حلقوں سے رائیں طلب کیجائیں۔

اکاڈیمی اپنی جگہ مطمئن ہوگی کہ ہمنے اسپر انعام دیکر اردو ادب کی ترقی چاہی ہے لیکن میں نے خالص علمی وادبی نظر سے اسکی غلطیاں دکہا دی ہیں۔ اور اب میں نہیں کہہ سکتا کہ اسکو ترقی کہوں یا اردو ادب کا تنزل!